سوال

(110) نماز، اذان، خطبہ، جمعہ وعیدین میں آلہ مکبر الصوت کا استعمال

جواب

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

رسالہ ''محدث،، دہلی بابت ماہ دسمبر 1940ء مطابق ماہ شوال المکرم 1359ھ میں بذیل فتاویٰ سب سے آخر میں یہ سوال درج ہے کہ آلہ آواز جس کو انگریزی میں لاؤڈ اسپیکر کہتے ہیں، جامع مسجد وعیدین ومجالس وعظ وخطبہ میں استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس کے جواب میں فتویٰ صاف اثبات میں دے کر وضاحت کے ساتھ لکھا ہے کہ عام مذہبی یا علمی جلسوں کی طرح اذان میں مؤذن کی آواز اور عیدین اور جمعہ کے موقع پر نماز میں امام کی آواز دور کے تمام مقتدیوں تک، اور خطبہ میں خطیب کے آواز دور کے لوگ تک پہنچانے کے لیے لاؤڈ اسپیکر (آلہ مکبر الصوت) کا استعمال، اور اس کو امام اور مؤذن وخطیب کے سامنے رکھنا جائز اور مباح ہے۔ ایسی ضرورت کے وقت اس آلہ کے استعمال میں شرعا کوئی قباحت نہیں ہے، اور اذان نماز وخطبہ جمعہ وعیدین کی صحت میں کوئی خلل واقع نہیں ہوگا۔

تو اوّل: تو اس میں کوئی دلیل یا سند قرآن وحدیث سے نہیں دی گئی، جس سے معلوم ہوتا ہے محض ذاتی اجتہاد اور قیاس رائے سے کام لیا گیا ہے۔

دوسرے: امام یا مؤذن وغیرہ کے لیے اس آلہ نشر الصوت کو آگے پیچھے سرکانے اور منہ کے پاس لگائے رکھنے، اور پھر رکوع وسجود وغیرہ میں اس کے سامنے سے ہٹانے اور پھر قیام کے صورت میں اس کو واپس اپنے منہ کے سامنے لاکر رکھنے میں ایک لہو ولعب اور خلل کی صورت پیدا ہونا ظاہر ہے۔

تیسرا: نماز وغیرہ میں جب مکبروں سے اس قسم کی حاجت پوری ہوجاتی ہے یا ہوسکتی ہے، تو اس بدعت کی تجویز کیا ضروری ہے، اور مشابہت وتقلید مغربیت کیوں روا رکھی جائے؟ (محمد سلیمان بردوان)

الجواب بعون الوہاب بشرط صحة السؤال

وعلیکم السلام ورحمة اللہ وبرکاتہ!

الحمد للہ، والصلاة والسلام علیٰ رسول اللہ، أما بعد!

نماز اور اذان وخطبہ جمعہ وعیدین میں آلہ مکبر الصوت کے استعمال کے جواز والے فتویٰ پر آپ نے تین شبہے پیش کیے ہیں:

(1) قرآن وحدیث سے اس کے جواز پر کوئی دلیل نہیں پیش کی گئی صرف اجتہاد وقیاس اور رائے سے کام لیا گیا ہے۔

(2) جس ضروت سے اس آلہ کو نماز وغیرہ میں استعمال کیا جاتا ہے وہ ضرورت مزید مکبروں سے پوری ہوجاتی ہے تو اس بدعت یک تجویز کی کی ضرورت

ہے درآں حالیکہ اس میں تشبہ وتقلید مغربیت بھی ہے۔

(3) نماز کی حالت میں اس آلہ کو سر کانے اور ہٹانے یا قریب کرنے سے نماز میں

خلل اور لہو ولعب کی صورت پیدا ہوجاتی ہے۔ آپ اگر ذیل کی چند امور پر غور کریں تو یہ تینوں شبہے خود بخود دور ہوجائیں گے، اور آلہ کے جواز میں کوئی تردد اور شبہ باقی نہیں رہے گا۔ اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ ہر جزئی اور ہر نئے حادثہ کا حکم صراحتاً قرآن وحدیث میں مل جائے، تو اس کی یہ خواہش پوری نہیں ہو سکتی، کتاب وسنت میں انہیں امور وحوادث کے شرعی احکام صراحتاً ونصاً مل سکتے ہیں۔ جو عہد رسالت میں پیش آئے اور جو نئے واقعات اور جدید حوادث آنحضرت ﷺ کے بعد پیش آئے۔ ان کے متعلق شریعت میں کوئی صریح حکم نہیں مل سکتا، اگر ایسا ہو کہ ہر پیش آنے والی جزئی اور نئے حادثہ کا حکم منصوص ہو، تو پھر اجتہاد وقیاس اور فقہ کا وجود نہیں ہوتا اور نہ اس کی ضرورت ہوتی، و نیز حضرت معاذ کو یمن بھیجنے کے وقت آنحضرت ﷺ کے یہ دریافت کرنے پر کہ اگر کتاب وسنت میں تم کو فیصلہ نہ ملے تو کیا کروگے؟ ان کا یہ کہنا ''اجتہد برائی،، فضول اور عبث ہوجاتا ہے۔

آنحضرت ﷺ کے ارتحال کے بعد پیش آنے والے امور وحوادث کے احکام، اصول وکلیات، عموم اطلاق سے اخذ کیے جاسکتے ہیں۔ چنانچہ عہد نبوی کے بعد نئے نئے پیش آنے والے حوادث پر صحابہ کرام، تابعین عظام، مجتہدین امت جو احکام لگائے ہیں، وہ اسی طرح اصول وکلیات وغیرہ سے مستنبط کیے گئے ہیں، نہ کہ وہ قرآن وحدیث میں منصوص ومصرح تھے۔ اب اگر کوئی ایسا حادثہ سامنے آئے جو ان بزرگان دین کے زمانے میں نہیں پیش آیا تھا، یا کوئی ایسی نئی چیز ہمارے سامنے آئے جو اس زمانے میں تھی ہی نہیں، تو اسکے متعلق یہ خیال کرنا کہ قرآن وحدیث میں اس کا حکم صراحتاً مل جائے گا، یا سلف کے احکام مستنبطہ اور فتاویٰ میں اس حکم کا تلاش، خبط کے سوا کچھ نہ ہوگا۔ ایسی چیز اور ایسے ہر حادثہ کے لیے علماء زمانہ کو اسی طرح قرآن وسنت میں بیان کردہ اصول کلیات، عمومات واطلاقات سے کام لینا پڑے گا، جس طرح صحابہ کرام اور ائمہ نے اپنے زمانہ میں لیا تھا۔

اکثر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جو چیز آن حضرت ﷺ یا صحابہ کرام اور بدرجہ تنزل ائمہ مجتہدین کے زمانہ میں موجود نہیں تھیں اور اب پائی گئی۔ اس کا استعمال بدعت اور محدث ہے، لیکن بدعت کی یہ تعبیر نہایت گمراہ کن ہے۔ بدعت دراصل اس نئے امر یا نئی چیز کو کہتے ہیں جس کی اصل شریعت میں نہ ملے، نہ نصاً نہ استنباطاً واستخراجاً، اور اس کو دین ومذہب یا کار ثواب سمجھ کر کیا جائے اور ساتھ ہی وہ دین کے ساتھ ملتبس بھی ہو، اگر اس نئی چیز کی اصل قرآن یا حدیث میں بہ استنباط صحیح موجود ہے تو اس کو بدعت نہیں کہا جاسکتا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم سے لے کر اب تک جتنے انبیاء ورسل مبعوث فرمائے اور ان کے ذریعہ شریعتیں بھیجیں، ان کے ارسال وبعثت ایک مقصد تھا کہ وہ اپنی قوموں اور امتوں کو ساری دنیاوی اسباب سے مستفید ہونے کے صحیح طریقے بتائیں۔ ان پیغمبروں نے خود ان اسباب سے فائدہ اٹھایا اور یہ بتاگئے کہ ان سے کس طرح صحیح کام لیا جاسکتا ہے اور ان کو کیوں کر استعمال کیا جاسکتا ہے۔

آں حضرت ﷺ نے محاصرہ طائف کے موقع پر سنگ باری کرنے کے لیے ''منجنیق،، سے کام لیا، اور صحابہ نے ''دبانہ،، و ''صنبورہ،، استعمال کیا۔ آں حضرت ﷺ نے سلمان فارسی کے مشورہ سے جنگ احزاب کے موقع پر ''خندق،، کھودوائی جو عجمی طریقہ مدافعت تھا۔ غرض اس طرح ہم کو بتائے گئے نت نئے اسباب عالم کو کیوں کر اسلامی طریقہ پر برت سکتے ہیں۔

عہد رسالت کے بعد صحابہ کرام نے ہمیشہ اس ضابطہ کو پیش نظر رکھا اور ہم کو اس ضابطہ پر عمل کرنے کا راستہ بتاگئے۔ دور نہ جائیے! صحیح بخاری کے ابواب اور ان کے تحت احادیث مذکورہ کو بہ نظر غائر پڑھ جائیں، تو آپ کو صاف طور پر معلوم ہوگا کہ امام بخاری نے آیات قرآنیہ واحادیث صحیحہ سے سیاست وحکومت، تمدن ومعاشرت، معاملات اور جنگ وغیرہ کے احکام وقواعد کس اچھوتے اور عمدہ طریقہ سے مستنبط فرمائے ہیں، اور ایسا ہی دیگر فقہاء محدثین واہل الرائے نے بھی کوشش فرمائی ہے۔

پس اب بھی علماء دین کا یہ فرض ہونا چاہیے کہ جو نئی چیزیں اور نئے حوادث کے سامنے آئیں، ان کے احکام قرآن وحدیث میں مبینہ اصول وکلیات سے اخذ کریں، اور یہ دیکھیں کہ ان چیزوں کا استعمال شرعاً درست ہے یا نہیں۔ اگر درست ہے تو ان کے برتنے کا صحیح اور درست طریقہ کیا ہے فوراً بدعت اور سنت کے تتبع سے یہ قاعدہ کلیہ معلوم ہوتا ہے (کما فی کتب الأصول) اشیاء میں اصل اباحت ہے یعنی: جب تک کس چیز کی عدم طہارت یا عدم اباحت پر کوئی دلیل نہ ہو، تو اس چیز کو مباح اور جائز یا پاک سمجھا جائے گا۔ هُوَ الَّذى خَلَقَ لَكُم ما فِى الأَرضِ جَميعًا ... البقرة ۲۹ اور ارشاد ہے وَسَخَّرَ لَكُم ما فِى السَّمـٰوٰتِ وَما فِى الأَرضِ جَميعًا ... الجاثية ۱۳ اور فرمایا گیا: أَلَم تَرَوا أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُم ما فِى السَّمـٰوٰتِ وَما فِى الأَرضِ ... لقمان ۲۰ ان آیتوں سے ظاہر ہے کہ اللہ پاک نے آسمانوں وزمین کی ساری چیزیں انسان کے لیے بنائی ہیں۔ لہذا انسان ان سے کام لینے اور فائدہ اٹھانے

کا مستحق ہے، اور ایک ایک چیز کے لیے بالتفصیل الگ الگ اجازت کی ضرورت نہیں، بلکہ جب تک کسی خاص چیز کے استعمال کی ممانعت نہ ملے۔ تمام چیزوں کی مباح اور حلال سمجھا جائے گا، اس قاعدہ کی اس حدیث میں بھی بیان فرمایا گیا ہے، ''الحلال ماأحل اللہ فی کتابہ، والحرام ماحرم اللہ فی کتابہ، وماسکت عنہ فھو مما عفا عنہ،، (ابوداؤد شریف: کتاب الاطعمۃ باب مالم یذکر تحریمہ (3700)4/175، واللفظ للترمذی، کتاب اللباس باب ماجاء فی لبس الفراء (1726)4/220، اس حدیث کو امام البانی نے ضعیف قرار دیا ہے '' غایۃ المرام فی تخریج أحادیث الحلال والحرام،، ص: 15).

ہاں اگر کئی ایسی چیز ہے جو ذوو وجہین ہے، یعنی: جہت حلال حرام دونوں اس میں موجود ہیں، یا اس کی حلت اور حرمت دونوں کے دلائل موجود ہیں۔ اور ایک جہت کو دوسری جہت کو دوسری جہت پر ترجیح ہوگئی تو اس کے نزدیک وہ چیز مشتبہ نہیں رہے گی۔

کسی چیز کے حلال یا حرام ہونے کی اساس اور بنا بھی قرآن نے بیان کردی ہے: وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ... ١٥٧ ...الأعراف اور حدیث میں ہے: ''نہی عن الدواء الخبیث،، (ابوداؤد کتاب الطب، باب فی الادویۃ المکروہۃ (3870)4/203). پس اگر کوئی چیز ہمارے سامنے آئے جس کی حرمت کا حکم صراحتاً موجود نہیں ہے، تو اس اساس کی روشنی میں دیکھیں گے وہ مستحبت ہے یا طیب! انسان کے لیے مضرت رساں ہے یا نفع بخش۔ اگر مضرت رساں ہونا اور استخباث ثابت ہو، تو وہ حرام اور ممنوع ہوگی، اور منفعت ثابت ہو تو مباح وحلال۔ اسی طرح ایسی چیزوں کے طرق استعمال کو بھی دیکھیں گے جو طریق مفضی الی الفساد ہو وہ ممنوع ہوگا اور جو طریق موجب صلاح ہو، وہ مباح اور جائز ہوگا۔ کسی چیز کے مضر یا مفید ہونے کے جو اصول وضوابط بیان کیے گئے، ان میں ایک اصل یہ بھی ہے کہ جو چیز دینی فرائض کی بجاآوری میں مخل اور مانع ومزاحم ہو وہ مضر، اس لیے اس سے پرہیز کرنا لازم ہے اور چیز اس میں مدد ومعاون، وہ مفید ہے اس لیے اس کا استعمال جائز ہے۔

جو چیز کسی ایسی غرض اور مقصد کے لیے بنائی گئی ہو، جسے شریعت نے حرام قرار دیا ہے، اور اس حرام مقصد کے علاوہ اس چیز کا اور کوئی جائز استعمال بھی نہ ہو، تو وہ چیز مطلقاً ممنوع وحرام ہے، اور جو چیز اچھے اور بُرے مفید اور مضر دونوں طرح کے کاموں میں استعمال کی جاتی ہو، اس کو محض اس لیے نہیں ممنوع قرار دیا جاسکتا کہ فاسق اور فاجر لوگ اس کو اکثر ممنوعات میں استعمال کرتے ہیں۔ ایسی صورت میں ہم نفس اس چیز کو حرام وناجائز نہیں قرار دے سکتے، البتہ اس کے محل اور طریق استعمال کو ممنوع قرار دیں گے جس کو فساق وفجار ناجائز مقصد کی خاطر اختیار کرتے ہیں۔

ان امور کو مدنظر رکھتے ہوئے آلہ مکبر الصوت کے (نماز واذان اور خطبہ میں) استعمال کا حکم صاف واضح ہوجاتا ہے کہ اس کا ان چیزوں میں برتنا جائز اور مباح ہے۔ قرآن وحدیث میں صراحتاً آپ کو اس کا حکم نہیں مل سکتا کہ عہد رسالت میں یہ چیز نہیں تھی۔ نہ صحابہ وتابعین وائمہ مجتہدین کے فتاوؤں میں اس کا حکم مل سکتا ہے کہ وہ یہ چیز موجودہ عہد کی پیداوار ہے۔ پس اس کا حکم اصول وکلیات دین سے اخذ کیا جائے گا۔ میرے نزدیک یہ چیز ''ہوالذی خلق لکم ما فی الأرض جمیعا،، اور ''سخر لکم مافی السموات وما فی الأرض جمیعا،، اور ''ماسکت عنہ، فھو عفا عنہ،، سے اخذ کردہ اصل اور کلیہ کے اندر داخل ہونے کی وجہ سے بدعت نہیں کہی جاسکتی۔ مشکوک ومشتبہ وخلاف ورع وتقویٰ اور یہ مستحبت اور مضرت رساں بھی نہیں ہے نہ اس سے کسی دینی فریضہ کی بجاآوری میں خلل اور فساد واقع ہوتا ہے، نہ یہ مطلقا لہوولعب میں داخل ہے نہ اس کا استعمال تشبہ مذموم میں داخل ہے، اس آلہ کا کام اس کے سوا کچھ نہیں کہ قدرتی طور پر جو آواز متکلم کے منہ سے نکلتی ہے۔ یہ آلہ اس آواز کے لے کر اور زیادہ بلند کردیتا ہے اور دور تک پہنچا دیتا ہے۔

یہ واضح ہوچکا ہے کہ اس آلہ کے استعمال کو بدعت نہیں کہا جاسکتا۔ اب رہا یہ شبہ کہ جب مکبروں سے تبلیغ صوت کی ضرورت پوری ہوجاتی ہے تو اس آلہ کے استعمال کی ضروت کیا ہے؟

سو اس کے متعلق اولاً: یہ عرض ہے کہ عیدین جیسے بڑے اجتماع کے موقع پر مکبروں سے جیسی کچھ ضرورت پوری ہوتی ہے، اسے ہر شخص جانتا ہے کہ امام تو رکوع سے سر اٹھا رہا ہوتا ہے، اور پچھلی صفیں ابھی رکوع میں جانے والی ہوتی ہیں۔ یہی حال سجدہ اور قومہ وغیرہ کا ہوتا ہے، کسی چیز کا نظام درست نہیں ہوتا سخت انتشار اور بدنظمی ہوتی ہے، اور لاؤڈ اسپیکر کے استعمال سے یہ بدنظمی قطعاً دور ہوجاتی ہے اور رکوع سجدہ تمام صفوں کا باقاعدہ ایک ساتھ ادا ہوتا ہے۔

ثانیا: مکبروں سے صرف تکبیرات انتقالات کا علم ہوسکتا ہے، یہ مکبر امام کی قرات پہنچا نہیں سکتے، اور نہ خطبہ میں خطیب کو آواز پہنچا سکتے ہیں اس ضرورت کو یہ آلہ ہی پوری

کرسکتا ہے قرات امام سننا گودور کے مقتدیوں پر ضروری ولازم نہیں ۔ لیکن اگربلاتکلف امام کی قرات بعینہ دور کے مقتدیوں تک پہنچ جائے تواس میں کیا قباحت ہے!!بلکہ یہ تو مستحسن چیز ہوگی خطبہ سے مقصودوعظ وتذکیر ہے اگراس مقصد کے حصول کی غرض سے یہ آلہ استعمال کیا جائے توشرعاً موجب فساد خطبہ کیوں ہوجائے گا؟

رہا یہ شبہ کہ اس آلہ کے استعمال میں تشبہ اورتقلید مغربیت ہے، تویہ بے جااوربے محل بلکہ لغو ہے، اگرتشبیہ منہی عنہ کادائرہ اس قدروسیع ہوجائے ،جیساکہ آپ نے سمجھ رکھاہے، توآپ کودین کی بہت چیزیں چھوڑنی پڑیں گی ۔ واقعہ یہ ہے کہ جوتشبیہ شرعامکروہ وممنوع ہے ۔

محقق نہیں ہے ۔ غیر مسلموں کے دینی ومذہبی شعائر اورقومی امتیازات جوان کے ساتھ مخصوص ہوں اوران کودوسری قوموں سے ممتاز کرتے ہوں، ان کااختیارکرنا تشبہ مکروہ مذموم ہے، اوراس آلہ کااستعمال نہ ان کادینی ومذہبی شعار ہے اورنہ ان کاقومی وملی امتیاز نشان ۔ صرف اتنی سی بات کہ اس کی ایجاد کافخران کوحاصل ہو،اورسب سے پہلے انہوں نے اس کوضرورت کی جگہوں میں استعمال کیا، اوران سے دوسری قوموں نے لیا ۔ اس سے یہ کیوں کرثابت ہواکہ یہ ان کادینی وقومی وملکی امتیازی شعاروشان ہے، اوریہ شبہ کہ اس کااستعمال نمازمیں مخل اورمظہر لہوولعب ہے سب سے زیادہ کمزور ہے ۔ آپ نے وہ آلہ مکبرالصوت دیکھا ہی نہیں ،جس کے سرکانے اورہٹانے کی ضرورت ہوتی ہی نہیں ۔ میں نے آل انڈیا ریڈیودہلی کے براڈکاسٹ والے کمرے میں جاکر خود دیکھا ہے کہ بیچ کمرے میں زمین سے ایک فٹ اونچا مائیکروفون نصب کیا ہوا ہے ،جوپورے کمرے کی آواز کوجذب کرکے نشرگاہ تک پہنچادیتا ہے، اوروہ جذب شدہ آوازساری دنیامیں نشرہوجاتی ہے ۔ پس اگرخطیب یامؤذن یاامام کے قریب ایسی قوت والامائیکروفون رکھاجائے ،جوکچھ فاصلہ پررہتے ہوئے بھی اس کی آواز جذب کرلے، جس میں اس کے سرکانے یاہٹانے کی ضرورت نہ پڑے تونمازمیں کیوں کرمخل ہوگا اوراس کوکس بناء پرلہوولعب میں داخل کیاجائے گا ۔؟ عبیداللہ مبارکپوری (الہدی دربھنگہ ج :6ش :2 10ربیع الآخر1373ھ 16جنوری1954ء)

ھذا ما عندي واللہ أعلم بالصواب

فتاویٰ شیخ الحدیث مبارکپوری

جلد نمبر1

صفحہ نمبر207

محدث فتویٰ